پروفیسر خورشید عالم

عہد رسالت میں خواتین کا سیاسی کردار

[''نقطۂ نظر'' کا یہ کالم مختلف اصحاب فکر کی نگارشات کے لیے مختص ہے۔ اس میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

(۱)

عربی لغت میں 'سیاسة' مصدر ہے اس کی ماضی 'سَاسَ' اور مضارع 'يَسُوْسُ' ہے۔ عربی میں کہا جاتا ہے: 'ساس الدابة أو الفرس'۔ (اس نے مویشی یا گھوڑے کی دیکھ بھال کی)، یعنی اس کو چارہ ڈالا، پانی پلایا، صاف کیا اور اسے سدھایا۔ یہ اصل ہے، جس سے سیاست بشر کے معنی اخذ کیے گئے ہیں۔ انسان جانوروں کی سیاست میں مہارت حاصل کرنے کے بعد انسانوں کی سیاست تک پہنچ گیا، یعنی ان کے معاملات کی دیکھ بھال میں ان کی قیادت کرنے لگا۔ مجازی طور پر کہا جاتا ہے: 'سَاسَ الرعيّة' (اس نے عوام کو کچھ باتوں کا حکم دیا اور کچھ سے منع کیا)۔ 'ساس الأمر سياسة'، یعنی کسی کام کا اس طریقے سے انتظام کرنا کہ اس کی مصلحت کے تقاضے پورے ہو جائیں۔

انسانی معاشرے میں سیاست کا تعلق احکام صادر کرنے اور اداروں کو چلانے سے ہوتا ہے۔ قانونی لغت کے مطابق سیاست سے مراد عام معاملات کو چلانے کا اصول یا فن ہے۔ جدید عربی میں لفظ 'سیاست' کا اطلاق حکمت عملی، اصول جہاں بانی اور پالیسی پر ہوتا ہے۔

قرآن حکیم میں 'سیاست' کا لفظ مکی یا مدنی کسی سورت میں وارد نہیں ہوا ہے، اور نہ ہی اس کے مشتقات کا استعمال ہوا ہے، مگر بعض ایسے الفاظ آئے ہیں جو سیاست کے معنوں کو ادا کرتے ہیں۔ مثلاً 'الْـمُـلْك' کا لفظ، یعنی لوگوں پر

حکمرانی کرنا، ان کو بعض باتوں کا حکم دینا اور بعض باتوں سے روکنا اور معاملات میں ان کی قیادت کرنا۔ قرآن مجید میں یہ لفظ مقام مدح اور مقام ذم، دونوں طریقوں سے استعمال ہوا ہے۔ یہ حکومت عادلانہ بھی تھی اور ظالمانہ بھی۔ بعض حکومتیں باہمی مشورے سے چلتی تھیں اور بعض میں آمرانہ نظام تھا۔ مثلاً آل ابراہیم کے بارے میں آیا ہے:

وَاٰتَیْنٰھُمْ مُّلْکًا عَظِیْمًا. (النساء۴:۵۴) ''اور ہم نے ان کو عظیم ملک (حکومت) عطا کیا''۔

آل ابراہیم میں حضرت یوسف (یوسف۱۲:۱۰۱)، طالوت (البقرہ۲:۲۴۷) اور حضرت سلیمان (البقرہ۲:۱۰۲) کو حکومت عطا کی۔ یہ حکومت مردوں کے ساتھ ساتھ خاتون کو بھی عطا کی گئی۔ سورۂ نمل میں ہدہد کا قول ہے: 'اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَۃً تَمْلِکُھُمْ '، ''میں نے ایک عورت کو دیکھا جوان پر حکومت کرتی ہے''۔ (۲۷:۲۳) ملکۂ سبا کا ذکر قرآن نے مدحیہ انداز میں کیا ہے۔ اس کی خوش حالی، فہم و فراست اور باہمی مشورے سے حکمرانی کے انداز کی تعریف کی گئی ہے۔ وہ کہتی ہے:

یٰٓاَیُّھَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِیْ فِیْٓ اَمْرِیْ مَاکُنْتُ قَاطِعَۃً اَمْرًا حَتّٰی تَشْھَدُوْنِ. (النمل۲۷:۳۲) ''اے اہل دربار، میرے اس معاملے میں مجھے اپنی رائے بتاؤ جب تک تم حاضر ہو کر مشورہ نہ دو گے، میں کسی کام کا فیصلہ کرنے والی نہیں''۔

مفسرین کے قول کے مطابق جس نے حکمرانی میں مشاورت کی طرح ڈالی، وہ ملکۂ سبا تھی۔

اس کے مقابلہ میں قرآن حکیم نے نمرود اور فرعون جیسے آمروں کی پرزور مذمت کی ہے۔

دوسرا لفظ جو سیاست کا مفہوم ادا کرتا ہے، وہ 'تمکین فی الأرض ' ہے، جس کے معنی زمین میں تسلط اور قدرت عطا کرنے کے ہیں۔ سورۂ کہف میں حضرت ذوالقرنین علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہے:

اِنَّا مَکَّنَّا لَہٗ فِی الْاَرْضِ. (۱۸:۸۴) ''ہم نے اس کو زمین میں دسترس عطا کی''۔

سورۂ حج میں اللہ کا قول ہے:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ. (۲۲:۴۱) ''یہ وہ لوگ ہیں اگر ہم ان کو زمین میں دسترس (حکومت) دیں تو نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، نیکی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے''۔

سیاست کا مفہوم ادا کرنے کے لیے قرآن حکیم نے 'استخلاف' کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔ سورۂ نور میں ارشاد ہے:

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ. (۲۴:۵۵)

''جولوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے، اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم بنا دے گا، جیسے ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا۔''

اسی طرح سورۂ اعراف (۷:۱۲۹) میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ جہاں جہاں 'تمکین فی الأرض' اور 'استخلاف فی الأرض' وارد ہے، ان کے مخاطبین مرد بھی ہیں اور خواتین بھی۔ دونوں میں تمیز کی کوئی گنجایش نہیں۔

سیاست کا مفہوم ادا کرنے کے لیے قرآن حکیم میں کئی جگہ 'حکم' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ارشاد ہے:

وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ. (النساء ۴:۵۸)

''جب لوگوں میں حکم چلانے لگو تو انصاف سے حکم چلاؤ۔''

امام ابن تیمیہ نے اپنی کتاب ''السیاسۃ الشرعیۃ'' میں سے آدھی کتاب کا انحصار اس آیت پر رکھا ہے۔ سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۴۴، ۴۵، ۴۷ اور ۵۰ میں بھی لفظ 'حکم' کے یہی معنی ہیں۔

سنت نبویہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی متفق علیہ روایت ہے:

عن النبی صلی اللّٰه علیه و سلم قال: كانت بنو إسرائيل تسوسهم الأنبياء كلما هلك نبی خلفه نبی و إنه لا نبی بعدی و سيكون خلفاء فيكثرون قالوا: فما تأمرنا؟ قال: فوا ببيعة الأول فالأول أعطوهم حقهم فان اللّٰه سائلهم عما استرعاهم.

(بخاری، رقم ۳۲۶۸۔ مسلم، رقم ۱۸۴۲)

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بنو اسرائیل کی سیاست انبیا کرتے تھے۔ جب بھی ایک نبی فوت ہوتا تو دوسرا نبی اس کا جانشین ہو جاتا۔ بے شک، میرے بعد کوئی نبی نہ ہو گا، البتہ خلفاء ہوں گے اور وہ کثرت سے ہوں گے۔ لوگوں نے پوچھا: آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: یکے بعد دیگرے آنے والوں کی بیعت پوری کرو اور ان کا حق ان کو دو، کیونکہ اللہ ان سے ان لوگوں کے بارے میں، جن کی رکھوالی وہ کر رہے ہیں، باز پرس کرے گا۔''

عصر حاضر کی تعریف کے مطابق ایسی سرگرمیاں جن کا تعلق قانون سازی اور قانون کے نفاذ کے لیے حکومت سازی سے ہو ان کو سیاسی سرگرمیاں سمجھا جاتا ہے۔ عام طور پر دینی سرگرمیوں کو معاشی سرگرمیاں سمجھا جاتا ہے، لیکن اگر یہ سرگرمیاں حکومت کی شکل اختیار کر جائیں تو ان کو سیاسی سرگرمیوں سے تعبیر کیا جائے گا۔ اسلامی نظام کے قیام کے

لیے گھر والوں اور وقت کے صاحب اقتدار کی مخالفت کے باوجود قبول اسلام، اس کے بارے میں جستجو، اس کی خاطر تکلیفیں برداشت کرنا، اپنے وطن سے ہجرت کرنا، بیعت کرنا اور دین کے دفاع کی خاطر جہاد کرنا، سب پر سیاسی سرگرمیوں کا اطلاق ہو گا۔ عصر حاضر کی تعریف کے مطابق ان سرگرمیوں کو محض معاشی سرگرمیاں نہیں، بلکہ سیاسی سرگرمیاں سمجھا جائے گا۔

مردوں کے ساتھ عورتوں کی شرکت تو انسانی زندگی کا خاصہ ہے۔ اس کا تعلق زمانۂ قدیم سے انسانی معاشرے کی روایات سے بالکل اسی طرح سے ہے، جس طرح شادی کی روایت انسانی معاشرے میں قدیم زمانے سے چلی آ رہی ہے، کیونکہ اللہ نے مردوں اور عورتوں کو جوڑا جوڑا (زوج) اس لیے پیدا فرمایا ہے کہ وہ مل کر زمین کو آباد کریں۔ اسی روایت پر عمل کرنے سے ہی تہذیب وتمدن کا قافلہ آسانی کے ساتھ رواں دواں رہ سکتا ہے۔ سابقہ انبیاے کرام کی سیرت سے اسی طریقے کی تائید ہوتی ہے اور خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت نے اسی روایت میں مزید وسعت پیدا کر دی اور اس کے ساتھ ساتھ ضروری ضابطے بھی وضع کیے تاکہ یہ روایت کسی بھی ایسے شائبہ کے بغیر آگے بڑھتی رہے جو اسے داغ دار کر دے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

جس شرکت کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری رہنمائی فرمائی ہے، وہ سابقہ انبیا کی سنت ہے۔ اس سے بطور تمہید ان قرآنی نصوص کو پیش کیا جائے گا جن کا تعلق سابقہ انبیا کے زمانے میں مرد اور عورت کی شرکت کے کے بارے میں ہے۔

سابقہ انبیا کے زمانے میں خواتین کا کردار

حضرت نوح علیہ السلام کے دور کے بارے میں اللہ کا ارشاد ہے:

حَتّٰٓی اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ قُلْنَا احْمِلْ فِیْهَا مِنْ کُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِیْلٌ. (ھود ۱۱: ۴۰)

''یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ پہنچا اور تنور جوش مارنے لگا تو ہم نے حکم دیا کہ ہر قسم کے جان داروں میں جوڑا جوڑا (یعنی) دو ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ لے لو اور جس شخص کی نسبت حکم ہو چکا ہے (کہ ہلاک ہو جائے گا) اس کو چھوڑ کر اپنے گھر والوں کو اور جو ایمان لایا ہو، اس کو کشتی میں سوار کر لو اور ان کے ساتھ ایمان بہت ہی کم لوگ لائے تھے۔''

اس حکم پر عمل کرتے ہوئے حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی بیوی اور کنعان نامی بیٹے کو چھوڑ کر اپنے بیٹوں سام، حام اور یافث اور ان کی بیویوں کو کشتی میں سوار کر لیا تھا۔ ایک روایت کے مطابق اہل ایمان میں چھ مرد اور ان کی بیویاں تھیں۔ روایت ہے کہ کشتی میں سوار کل لوگوں کی تعداد اسی تھی جن میں آدھے مرد اور آدھی عورتیں تھیں۔

آیت مبارکہ میں 'زوجین' کا لفظ قرآن حکیم کا وہ لفظ ہے جو مرد اور عورت کے اشتراک پر قطعی دلیل مہیا کرتا ہے۔ مرد عورت کا زوج ہے اور عورت مرد کا۔ قرآن حکیم میں عورت کے لیے 'زوجۃ' کا لفظ استعمال نہیں ہوا، کیونکہ امام راغب کے نزدیک یہ گھٹیا لغت ہے، اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے: 'النساء شقائق الرجال' (عورتیں مردوں کی نظیر ہیں)۔ جوڑے میں مکمل وابستگی اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے، اسی لیے قرآن میں 'زوج' کا لفظ ہم خیال اور ہم مشرب ساتھیوں کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ تخلیق کے تقاضوں کو مرد اور عورت، دونوں مل جل کر پورا کرتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ مرد کے بغیر عورت ناقص ہے اور عورت کے بغیر مرد۔ ان میں سے کوئی ایک زندگی کے قافلے کو آگے نہیں بڑھا سکتا۔ آیت زیر بحث میں حضرت نوحؑ کی بیوی کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ نے اسے کشتی میں سوار کرنے سے منع فرما دیا تھا، کیونکہ اللہ نے فرما دیا تھا کہ سوائے ان گھر والوں کے جن کی ہلاکت کے بارے میں حکم ہو چکا ہے، باقی گھر والوں کو کشتی میں سوار کر لو۔ سورۂ تحریم (۶۶) کی آیت ۱۰ میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے حضرت نوحؑ اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیویوں کی مثال دی ہے کہ وہ ہمارے دو نیک بندوں کی بیویاں تھیں۔ غور طلب بات یہ ہے کہ یہاں 'زوج' کے بجائے 'امــــرَاَتَ' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، کیونکہ وہ دونوں کافر تھیں اور لفظ 'زوج' مشابہت، مجانست اور پیوستگی پر دلالت کرتا ہے، اسی لیے قرآن میں عام طور پر انبیا کی مومن بیویوں کو لفظ 'زوج' سے تعبیر کیا اور کافر بیویوں کو لفظ 'امرأۃ' سے۔

مثال دینے کا مطلب کسی مجرد حقیقت اور نظریہ کی مثال محسوس شکل سے دی جاتی ہے تاکہ وہ حقیقت یا نظریہ نکھر کر سامنے آ جائے۔ اس مثال سے کافروں کے خیال کا پتا چل گیا اور انجام کا بھی۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ عورت بھی مرد کی طرح صاحب اختیار اور صاحب ارادہ ہے اور مستقل شخصیت کی مالک ہے، کسی کے تابع نہیں اور وہ اپنے کیے کی خود ذمہ دار ہے۔ وہ اپنی ذات کے بارے میں جواب دہ ہے۔ کسی نبی کی بیوی ہونا اسے اس ذمہ داری سے سبکدوش نہیں کر سکتا۔ اس آیت سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ خواتین مرد کے لیے اسی طرح قابل تقلید ہیں، جس طرح مرد خواتین کے لیے۔

ام اسماعیل

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے:

رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ. (ابراہیم ۱۴: ۳۷)

''(حضرت ابراہیم نے کہا) اے پروردگار، میں نے اپنی اولاد میدان (مکہ) میں، جہاں کھیتی نہیں، تیرے عزت والے گھر کے پاس لا بسائی ہے۔ اے پروردگار، تاکہ یہ نماز قائم کریں۔ تو لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ ان کی طرف جھکے رہیں اور ان کو میووں سے روزی دے تاکہ (تیرا) شکر کریں۔''

بخاری (رقم ۳۱۸۴) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ اور ان کے شیر خوار بچے کو بیت اللہ کے بغل کی جانب زمزم کے پاس ایک بڑے درخت کے نیچے چھوڑ دیا۔ مکہ کے قرب و جوار میں کوئی انسان نہ رہتا تھا اور وہاں پانی بھی موجود نہ تھا۔ ان کے پاس ایک تھیلی رکھی جس میں کھجوریں تھیں اور ایک مشکیزہ جس میں پانی تھا۔ جب حضرت ابراہیمؑ واپس لوٹنے لگے تو ہاجرہ آپ کے پیچھے پیچھے چلنے لگیں اور کہنے لگیں: آپ ہمیں اس وادی میں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں جس میں نہ کوئی مونس ہے نہ غم خوار؟ جب جواب نہ ملا تو ہاجرہ نے کہا: کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ حضرت ابراہیم نے فرمایا: ہاں، تو حضرت ہاجرہ نے کہا: پھر وہ ہمیں ضائع نہیں ہونے دے گا۔ جب چلتے چلتے مقام ثنیہ کے پاس پہنچے تو آپ نے بیت اللہ کی طرف منہ کر کے دونوں ہاتھ اٹھائے اور وہ دعا مانگی جس کا مذکورہ آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت ہاجرہ بچے کو دودھ پلاتی تھیں اور خود مشکیزے سے پانی پیتی تھیں۔ مشکیزے کا پانی ختم ہو گیا تو انھیں اور بچے کو پیاس لگی۔ بچہ پیاس سے بلکنے لگا تو قریب تر میں کوہ صفا پر چڑھ گئیں، اس امید پر کہ شاید کوئی نظر آئے، مگر کوئی بھی نظر نہ آیا۔ کوہ صفا سے نیچے اتر کر جب وادی میں پہنچیں تو بے تابی میں قمیص کو اوپر اٹھا کر تیز تیز دوڑنے لگیں، یہاں تک کہ وادی سے گزر کر مروہ کی پہاڑی پر پہنچیں اور دیکھنے لگیں شاید کوئی انسان نظر آ جائے، مگر کوئی بھی نظر نہ آیا۔ انھوں نے صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر لگائے۔ جب وہ مروہ کے اوپر سے جھانک رہی تھیں تو انھوں نے ایک آواز سنی اور کہا: تم نے آواز تو سنا دی اگر فریاد رسی کر سکتے ہو تو کرو۔ زمزم کی جگہ کے پاس اچانک فرشتہ نمودار ہوا، اس نے ایڑھی ماری تو پانی نکل آیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بچے کی ایڑھیوں کی رگڑ سے معجزاتی طور پر پانی نکل آیا ہو۔ حضرت ہاجرہ نے کمال دانش مندی سے اسے حوض کی شکل دینا شروع کی اور اپنے ہاتھ سے منڈیر بنایا۔ حضرت ہاجرہ نے خود بھی

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

پانی پیا اور بچے کو بھی پانی پلایا۔

پھر بنو جرہم کا وہاں سے گزر ہوا۔ انھوں نے مکہ کے زیریں علاقے میں پڑاؤ ڈالا۔ انھوں نے پرندے کو چکر لگاتے ہوئے دیکھا تو کہا کہ یہاں پانی ہے جس پر پرندہ چکر لگا رہا ہے۔ انھوں نے قاصد بھیجا جس نے تصدیق کر دی کہ وہاں پانی موجود ہے، تو قبیلے والے وہاں سے اٹھ کر پانی کے قریب آ گئے۔ حضرت ہاجرہ پانی کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ انھوں نے پڑاؤ ڈالنے کی اجازت مانگی تو انھیں مل گئی۔ ابن عباس راوی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسماعیل کے ماں نے ان کی آمد کو اچھا سمجھا، کیونکہ وہ انسانوں سے محبت کرتی تھیں۔ ان لوگوں نے وہاں پڑاؤ ڈال دیا اور پیغام بھیج کر اپنے گھر والوں کو یہاں بلا لیا۔ وہ بھی آ کر ان کے پاس رہنے لگے، حتیٰ کہ ان کے یہاں گھر آباد ہو گئے۔

قرآن کی آیات اور بخاری کی روایت سے حضرت ہاجرہ کی عظیم شخصیت ابھر کر سامنے آتی ہے۔ بے آب و گیاہ وادی، تن تنہا خاتون، گود میں دودھ پیتا بچہ۔ کس قدر وحشت زدہ ماحول تھا۔ اس ماحول میں انھوں نے کسی مرد کی مدد کے بغیر بڑی ہمت و حوصلے سے بچے کی پرورش کی۔ وہ بچہ عام بچہ نہ تھا، ایک ہونے والا نبی تھا۔ نہ صرف بچے کی پرورش کی، بلکہ بیت اللہ کو آباد کرنے میں اپنے شوہر کے مشن میں بھرپور شرکت کی۔ جب حضرت ابراہیم ان کو تنہا چھوڑ کر جانے لگے تو پوچھا: کس کے سہارے چھوڑ کر جا رہے ہو؟ جواب ملا کہ اللہ کے سہارے۔ اس پر اس عظیم خاتون نے کہا: میں اللہ سے راضی ہوں۔ کس قدر پختہ ایمان تھا ان کا اور کس قدر توکل ان کو اللہ پر۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

بنو جرہم کو پانی کے پاس پڑاؤ کی اجازت دے کر وہ ایک معاشرتی دھارے میں شامل ہو گئیں۔ ابن عباس کی روایت کے مطابق وہ انسان دوست تھیں۔ انھوں نے اس شرط پر پڑاؤ کی اجازت دی کہ وہ پانی استعمال کر لیں، مگر اس پر ان کو حق ملکیت نہ ہو گا۔ یہ ان کی فہم و فراست اور حسن تدبیر کی ایک واضح دلیل ہے۔ حضرت اسماعیل نے جرہم والوں سے عربی سیکھی اور انھی میں بیاہے گئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ خاتون کا کام معاشرے میں شمولیت ہے نہ کہ عزلت و تنہائی۔

اللہ نے اس باہمت اور باحوصلہ خاتون کو یہ اعزاز بخشا کہ صفا و مروہ کے درمیان انھوں نے سات چکر لگائے تھے۔ ان کو قیام قیامت تک ہر حج کرنے والے پر واجب قرار دیا اور جس راستہ پر وہ تیز تیز قدموں سے دوڑی تھیں، اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مستحب قرار دیا۔ آج بھی آپ کو دو سبز نشانوں کے درمیان حاجی بھاگتے نظر آتے ہیں، وہ حضرت ہاجرہ کی سنت ہے۔ جس گزرگاہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے صحابہ، خلفا اور بادشاہ

دوڑتے رہے اور جس گزر گاہ پر مسلمان قیامت تک دوڑتے رہیں گے، اس گزر گاہ پر کسی زمانے میں ممتا کی ماری ماں گود کے بچے کی پیاس بجھانے کے لیے دوڑی تھی۔ اللہ کو اس کی یہ ادا اتنی بھائی کہ ہر آنے والے کو وہاں پر سعی (دوڑنے) کا حکم دیا۔ ایک خاتون کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا اعزاز ہو سکتا ہے۔

ام اسحاق

سورۂ ہود میں ارشاد ہے:

وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (۱۱: ۷۱-۷۳)	’’اور اس کی بیوی جو پاس کھڑی تھی، ہنسنے لگی تو ہم نے اس کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوش خبری دی۔ اس نے کہا: ہائے خرابی: کیا میرے بچہ ہو گا؟ اور یہ ہیں میرے شوہر بوڑھے۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ انھوں (فرشتوں) نے کہا: کیا تم اللہ کی قدرت پر تعجب کرتی ہو؟ اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں اے گھر والو، تم پر ہوں۔‘‘

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

آیت مبارکہ کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم کی بیوی سارہ مہمانوں کے استقبال میں شریک تھیں اوران کی خدمت میں مشغول تھیں۔ ہنسی ان کو اس بات پر آئی کہ خطرے کی کوئی بات نہیں، کیونکہ وہ فرشتے تھے جو قوم لوط کی طرف بھیجے گئے تھے۔ فرشتوں نے انھیں براہ راست دو بار خطاب کیا اور ان کو اسحاق کی خوش خبری دی۔ اس پر اللہ نے رحمتیں اور برکتیں بھیج کر ایک خاتون کی عظمت کو خراج تحسین پیش کیا۔ امام ابن حزم اپنی کتاب ’’الفصل فی الملل والاھواء والنحل‘‘ (۵/۱۷) میں فرماتے ہیں کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ام اسحاق نبی تو نہ تھی اور اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ذریعے سے ان سے ہم کلام ہو۔

ابوالانبیا حضرت ابراہیم کے دور میں ان کی دونوں بیویوں نے ان کے مشن میں شریک ہو کر سب ـــــ دینی اور معاشرتی ـــــ سرگرمیوں میں ان کا ساتھ دیا اور اللہ نے قدم قدم پر ان کی مدد فرمائی اور ان کی عزت افزائی کی۔

ام موسیٰ

حضرت موسیٰ کی والدہ کا ذکر قرآن حکیم کی سورۂ طٰہٰ (۲۰) کی آیات ۳۸، ۴۰، ۹۴ اور سورۂ قصص (۲۸) کی آیات

۷-۱۳ میں ہوا ہے۔ سورۂ طٰہٰ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى. (۲۰:۳۸)

''جب ہم نے تیری ماں کی طرف وحی کی ایسی بات کی جو وحی ہی کے ذریعے بتائی جا سکتی تھی۔''

وحی کی تفصیل سورۂ قصص میں نسبتاً تفصیل سے ہے:

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ. (۲۸:۷)

''اور ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی بھیجی کہ اس کو دودھ پلاؤ۔ جب تم کو اس کے بارے میں کچھ خوف پیدا ہو تو اسے دریا میں ڈال دینا اور نہ تو خوف کرنا اور نہ رنج کرنا۔ ہم اس کو تمھارے پاس واپس پہنچا دیں گے اور (پھر) اسے پیغمبر بنا دیں گے۔''

وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِىْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ. (۲۸:۱۰)

''اور موسیٰ کی ماں کا دل بے قرار ہو گیا۔ اگر ہم ان کے دل کو مضبوط نہ کرتے تو قریب تھا کہ وہ اس (بے قراری) کو ظاہر کر دیتی۔ غرض یہ تھی کہ مومنوں میں رہیں۔''

وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ. (۲۸:۱۱)

''اور اس کی بہن سے کہا کہ اس کے پیچھے پیچھے چلی جا۔''

فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَىْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ. (۲۸:۱۳)

''ہم نے ان کو ان کی ماں کے پاس واپس پہنچا دیا تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کھائیں اور تاکہ ان کو علم ہو جائے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، لیکن ان میں اکثر کو اس کا علم نہیں۔''

حضرت موسیٰ کی والدہ کی طرف وحی کی گئی تھی یا یہ محض الہام تھا؟ اس کے بارے میں امام ابن حزم اندلسی (حوالہ پیچھے مذکور ہے) فرماتے ہیں:

''معمولی عقل و شعور رکھنے والا آدمی بھی بہ آسانی سمجھ سکتا ہے کہ اگر موسیٰ کی والدہ کا عمل اللہ کے عطا کردہ شرف نبوت سے نہ ہوتا اور محض خواب یا دل میں پیدا شدہ وسوسہ کے مطابق وہ ایسا کرتیں تو ان کا یہ عمل نہایت ہی مجنونانہ اور مقہورانہ ہوتا اور اگر آج ہم میں سے کوئی ایسا کر بیٹھے تو ہمارا یہ عمل گناہ قرار پائے گا یا ہم کو پاگل سمجھ کر پاگل خانے بھیج دیا جائے گا۔ یہ ایک ایسی صاف اور واضح بات ہے جس میں شک و شبہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اللہ کا یہ وعدہ کہ میں اسے تیرے پاس لوٹا دوں گا اور اسے رسول بناؤں گا، کیا وعدہ الہام یا خواب کی صورت میں کیا جاسکتا ہے؟ یہ بات صرف وحی کے ذریعے سے ہی بتائی جاسکتی ہے۔ حضرت موسیٰ کی والدہ کو یقین تھا کہ یہ وحی الٰہی ہے۔ چنانچہ انھوں نے حکم کی تعمیل میں پل بھر بھی دیر نہ کی اور بچے کو دریا میں ڈال دیا۔ ابوحیان نے ''البحر المحیط'' (۷/۱۰۰) میں ان الفاظ سے ان لوگوں کے قول کے خلاف استدلال کیا ہے جو کہتے ہیں کہ وحی سے مراد الہام یا خواب ہے۔

اب آیئے قصہ میں حضرت موسیٰ کے کردار کی طرف۔ ''انھوں نے اللہ کے حکم کی تعمیل میں ذرہ بھر دیر نہ کی''، اسی سے دونوں جملوں کو فالے تعقیب کے ذریعے سے جوڑا گیا ہے۔ اپنے جگر گوشہ کو دریا کی موجوں کے سپرد کر کے ایک ماں قدرتی طور پر دل گرفتہ تھی، اللہ قدم قدم پر والدہ کی رہنمائی کر رہا تھا۔ اس نے کہا کہ مجھے ماں کی ممتا کا احساس ہے۔ تیرے اندر جو جذبات تڑپ رہے ہیں، میں ان سے باخبر ہوں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ میرا کہا مان کر تو نے اپنے لخت جگر کو اپنی آغوش سے نکال کر دریا کی آغوش میں ڈال دیا ہے۔ جو میرا کہا مانتے ہیں، میں ان کا ساتھ نہیں چھوڑتا۔ میرے ہاتھ دریا کی لہروں پر قابو پر کران کو ان کی گود بنا سکتے ہیں۔ خوش ہو جاؤ، ہم نہ صرف اسے تیری آغوش میں واپس لے آئیں گے، بلکہ اسے رسالت کے منصب پر بھی فائز کریں گے۔ یہ وحی سہمے ہوئے دل کی ڈھارس بندھاتی ہے۔

یہ اللہ کی تدبیر تھی کہ فرعون اور اس کی بیوی نے دریا سے نکال لیا۔ قرآن کہتا ہے: جو ان کے دلوں میں پیدا ہوئی، اللہ کی عطا کردہ تھی۔ فرعون کی بیوی نے فرعون سے کہا: یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اسے قتل نہ کرنا۔ بچے کی حفاظت جاہ و مال سے نہ ہوئی، بلکہ صرف اور صرف اس محبت کی وجہ سے جو اللہ نے ان کے دلوں میں اپنی تدبیر کے تحت ڈال دی تھی۔ اللہ کو منظور تھا کہ موسیٰ کی تربیت شاہی محل میں ہو اور وہ اس زمانے کے علم و حکمت سے بہرہ ور ہوں اور اس علم و حکمت کو کلمۂ حق کی سربلندی کے لیے استعمال کریں۔

موسیٰ کے غم کے سوا ام موسیٰ ہر غم سے فارغ ہو چکی تھی، مگر اللہ نے ان کے دل پر صبر کی گرہ لگا دی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہوسکتا تھا کہ اپنی بے چینی سے وہ منہ سے کوئی ایسی بات نکال دیتیں جس سے سارا راز فاش ہو جاتا۔ جس طرح کسی چھوٹنے والی اور بھاگنے والی چیز کو باندھ دیا جائے تو وہ قرار پکڑ جاتی ہے، بالکل اسی طرح اللہ نے وحی کے ذریعے سے ان کے دل پر صبر کی گرہ لگا دی۔ اللہ نے ایسا کیوں کیا؟ تاکہ ان کا شمار اہل ایمان ہی میں رہے۔ یہاں پر ام موسیٰ کے لیے مومنات کی جگہ 'مُؤْمِنُوْنَ' کا لفظ استعمال کیا ہے، جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ کی نعمت میں اہل ایمان مرد و زن میں کوئی تمیز نہیں۔

جب موسیٰ کی ماں کا دل موسیٰ کے غم کے سوا ہر غم سے فارغ ہو گیا تو انھوں نے اپنی بیٹی اور موسیٰ کی بہن سے کہا کہ

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اس کے پیچھے پیچھے جاؤ اور کوئی خبر لاؤ، بہن کی حسن تدبیر سے بچہ ماں کی گود میں واپس آ گیا اور اللہ نے اس کی آنکھوں کو ٹھنڈا کر دیا اور ان کے رنج کو دور کر دیا۔ حضرت موسیٰ کی ماں کا بھروسہ اللہ پر کامل تھا۔ ایک ماں اپنے بچے کے فراق میں جس بے کلی کا شکار ہوتی ہے، اس پر انھوں نے نہایت حوصلے اور صبر سے کام لیا، اللہ نے قدم قدم پر وحی سے ان کی رہنمائی فرما کر ان کو اعزاز بخشا اور ان کے جذبۂ ایمانی کی تحسین فرمائی۔

موسیٰ کی بہن

اللہ نے حضرت موسیٰ کو ان کی ماں کی طرف لوٹانے میں جو آخری تدبیر اختیار کی، اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے بنیادی کردار بھی ایک خاتون، یعنی حضرت موسیٰ کی بہن نے ادا کیا، اللہ کا ارشاد ہے:

اِذْ تَمْشِیْٓ اُخْتُکَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی مَنْ یَّکْفُلُهٗ فَرَجَعْنٰکَ اِلٰٓی اُمِّکَ کَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ. (۲۰:۴۰)

''جب تمھاری بہن چلی جا رہی تھی اور پھر کہہ رہی تھی کہ میں تمھیں اس کا پتا نہ بتا دوں جو اس کی پرورش کرے اور پھر ہم نے تمھیں تمھاری ماں کی طرف لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور اس کا غم دور ہو۔''

اس مضمون کو نسبتاً تفصیل سے سورۂ قصص میں یوں بیان کیا گیا ہے:

''اور موسیٰ کی ماں نے ان کی بہن سے کہا: اس کے پیچھے پیچھے جاؤ۔ پس اس نے دور سے (شوق سے) دیکھا اور ان لوگوں کو پتا بھی نہ چلا اور اس سے پہلے ہم نے سب دودھ پلانے والیوں کو اس کے لیے ممنوع قرار دے دیا تھا۔ پس اس نے کہا: میں تمھیں ایسے گھر والوں کا پتا نہ بتلا دوں جو تمھارے لیے اس کی پرورش کریں اور وہ اس کے خیر خواہ ہیں۔'' (۲۸:۱۰-۱۲)

اللہ تعالیٰ نے ماضی کے واقعہ کو بیان کرنے کے لیے 'اِذْ تَمْشِیْ' مضارع کا صیغہ اس لیے استعمال کیا ہے کہ یوں لگے کہ گویا یہ واقعہ ہماری نظروں کے سامنے سے گزر رہا ہے۔ سورۂ قصص کی آیت میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ ماں نے اپنی بیٹی کو حکم دیا، بلکہ اس کی جگہ موسیٰ کی بہن کی تعبیر اختیار کی گئی ہے تاکہ محبت کی اس گہرائی کو نمایاں کیا جائے جو ایک بہن کے دل میں اپنے بھائی کے لیے ہوتی ہے اور حکم ماننے کے لیے لازمی ہوتی ہے۔ اسی آیۂ مبارکہ میں 'فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ' (پھر اس نے اپنے بھائی کو دور سے (یا کنکھیوں سے یا شوق سے) دیکھ لیا، اور ان کو پتا بھی نہ چلا) گویا بہن کا دل اس کی آنکھوں سے آگے تھا۔ وہ بھائی کو اپنی آنکھوں سے نہیں ڈھونڈ رہی تھی، بلکہ وہ مجسم احتیاط بن کر لوگوں کے اشارے کنائے اور حرکات وسکنات کو دل کی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ 'وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ' کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ کتنا پرخطر وقت تھا جہاں بڑے سے بڑے محتاط لوگوں کے

قدم لڑکھڑا جاتے ہیں اور ان سے کوئی نہ کوئی غلطی سرزد ہو جاتی ہے۔ یہ الفاظ موسیٰ کی بہن کی فہم و فراست، عقل و دانش اور ہمت و حوصلہ پر دلالت کرتے ہیں۔

جب لہروں نے تابوت کو اس ندیا میں ڈال دیا جو فرعون کے محل کو جاتی تھی تو حضرت موسیٰ کی بہن بھی بچتے بچاتے وہاں پہنچ گئیں۔ فرعون کے محل تک پہنچنے کے بعد جب بہن نے دیکھا کہ بھائی کسی کے دودھ کو منہ نہیں لگاتا تو انھوں نے کہا کہ میں ایسے گھرانے والوں کو جانتی ہوں جو اسے دودھ پلا کر اس کی پرورش کریں گے، کیونکہ وہ اس کے خیر خواہ ہیں۔ بس یہیں سے، بہن کا امتحان شروع ہو جاتا ہے۔ یہ الفاظ سن کر محل والوں کو شبہ گزرا کہ ہو نہ ہو یہ لڑکی بچے کو بھی جانتی ہے اور بچے والوں کو بھی۔

روایت میں ہے کہ ہامان نے اس سے پوچھا کہ تم بچے کو کیسے جانتی ہو؟ تن تنہا جوان لڑکی، فرعون اور اس کے درباریوں کا ہجوم، نر بچوں کے قتل کا اعلان، پر خطر ماحول۔ ذرا سی غلطی بھی جان لیوا ہو سکتی تھی، لیکن لڑکی ذہین تھی، پر اعتماد تھی اور اسے تائید الٰہی بھی حاصل تھی۔ اس نے جواب دیا۔ شہزادے کو دودھ پلانا بڑے اعزاز کی بات ہے۔ بادشاہ کے قرب اور انعام و اکرام کی خاطر وہ لازماً بچے کی خیر خواہی کریں گے۔ یہ جواب سن کر سب مطمئن ہو گئے اور بچہ دوبارہ اپنی ماں کی گود میں پہنچ گیا۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

فرعون کی بیوی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ لَا تَقْتُلُوْهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ. (القصص ۲۸:۹)

’’اور فرعون کی بیوی نے کہا کہ (یہ) میری اور تمھاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اس کو قتل نہ کرو، شاید یہ ہمیں فائدہ پہنچائے یا ہم اسے بیٹا بنا لیں اور وہ (انجام سے) بے خبر تھے۔‘‘

جب اس بچے کو آل فرعون نے نیچے سے اٹھا لیا تو اللہ کی سکیم کے تحت جو اس نے اس بچے کے بارے میں لوگوں کے دل میں ڈال دی تھی، فرعون کی بیوی نے اس موہنی صورت کے بچے کو دیکھتے ہی فرعون کو مخاطب کر کے کہا: یہ بچہ تو میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اسے قتل مت کرنا۔ اس کی گود خالی تھی، دل سے نکلے ہوئے جذبات بھرے۔ ان الفاظ سے فرعون کا دل بھی پسیج گیا اور اس نے بیوی کی بات مان لی۔ اس عظیم عورت نے نہ صرف بچے کی جان بچائی، بلکہ شاہی محل میں اس کی تربیت کر کے حق و باطل کے معرکہ کے لیے اسے تیار کیا اور اللہ کے قول 'لِتُصْنَعَ عَلٰى

عَیۡنِیۡ '' ''اس لیے کہ تم میرے سامنے پرورش پاؤ'' (طٰہٰ ۲۰: ۳۹)۔فرعون اگر جور و استبداد کی علامت تھا تو حضرت موسیٰ عدل و انصاف اور حق و صداقت کی علامت۔ چنانچہ فارسی کا محاورہ ہے: سرِ فرعونے را موسیٰ۔ موسیٰ اس قابل کیے ہوئے توفیق الٰہی اور فرعون کی بیوی کی تربیت کی وجہ سے۔

فرعون کی بیوی کا نام آسیہ بنت مزاحم ہے۔اس کا رشتہ ایک کافر کے ساتھ جڑا ہوا تھا۔ کفر بھی ایسا جو کفر و الحاد اور غرور و تکبر کی علامت تھا جو اپنے آپ کو خدا سمجھتا تھا۔اس کی لمبی چوڑی اور طاقت ور حکومت۔ وہ تنہا خاتون تھی جو ظلم و ستم کے سامنے سینہ سپر رہی، مگر اپنے ایمان پر آنچ نہ آنے دی۔ کفر کے اس طوفان بدتمیزی میں وہ اکیلی خاتون تھی جس نے شاہی چمک دمک، سب بندھنوں اور سب لوازمات سے منہ موڑ کر اللہ سے لو لگا رکھی تھی۔ اس پر بادشاہ، اس کے حاشیہ برداروں اور سوسائٹی کا دباؤ تھا۔ اس نے حوصلہ و ہمت سے اس دباؤ کا مقابلہ کیا۔ اللہ نے اسے وہ عزت بخشی کہ اسے نہ صرف مومن عورتوں، بلکہ مومن مردوں کے لیے ضرب المثل بنا دیا۔ سورۂ تحریم میں ارشاد ربانی ہے:

ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوا امۡرَاَتَ فِرۡعَوۡنَ اِذۡ قَالَتۡ رَبِّ ابۡنِ لِیۡ عِنۡدَکَ بَیۡتًا فِی الۡجَنَّۃِ وَنَجِّنِیۡ مِنۡ فِرۡعَوۡنَ وَعَمَلِہٖ وَنَجِّنِیۡ مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ. (۶۶: ۱۱)

''اور جو لوگ ایمان لائے ان کے لیے اللہ نے فرعون کی بیوی کی مثال بیان کی۔ جب اس نے (اللہ سے) التجا کی کہ اے میرے رب، میرے لیے بہشت میں اپنے پاس ایک گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات دلا اور ظالم لوگوں سے مجھے خلاصی دلا۔''

''فرعون کی ذات سے بھی نجات دلا اور اس کے عمل سے بھی''۔ لفظ 'عَمَلِہٖ' میں فرعون کے جسمانی عذاب اور ان کی اپنی جدوجہد کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ نے ان کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور امام زمخشری کے قول کے مطابق اسے جنت الماویٰ میں گھر ملا اور یہ جنت عرش بریں سے قریب تر ہے*۔ قرآن حکیم کے یہ الفاظ رہتی دنیا تک گونجتے رہیں گے۔ یہ مقام کیا کم ہے کہ فرعون کی بیوی کو حضرت مریم کے شانہ بشانہ کھڑا کر دیا گیا ہے۔ مسلم میں حضرت ابوعیسیٰ سے روایت ہے:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم: کمل من الرجال کثیر ولم یکمل من النساء الا مریم بنت عمران و آسیة امراة فرعون. (رقم ۲۴۳۱)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مردوں میں سے بہت سے کامل ہوئے ہیں، مگر عورتوں میں سے صرف مریم بنت عمران اور فرعون کی بیوی آسیہ۔''

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

امام ابن حزم اور امام قرطبی نے کہا کہ یہاں کمال سے مراد نبوت میں کمال ہے اور جن عورتوں کو منصب نبوت سے سرفراز کیا گیا ہے، ان میں صرف ان دو عورتوں کو درجۂ کمال تک پہنچنے کی فضیلت حاصل ہوئی۔

موسیٰ و فرعون کے عبرت انگیز قصے کو قرآن حکیم میں بار بار پیش کیا گیا ہے، کیونکہ یہ حق و باطل کا اصل معرکہ تھا۔ ایک طرف جور و استبداد اور دوسری طرف عدل و انصاف، ایک طرف آمریت تو دوسری طرف عوام الناس۔ اس معرکہ میں تین عورتوں نے بنیادی کردار ادا کیا، حضرت موسیٰ کی پیدایش سے لے کر ان کی پرورش تک کا مرحلہ صرف ان خواتین کی شرکت سے طے ہوا۔ اللہ کی توفیق اور ان خواتین کی کاوشوں کی بنیاد پر حضرت موسیٰ میں وقت کی سب سے بڑی قوت سے ٹکرانے کا حوصلہ پیدا ہوا۔ حضرت موسیٰ کی والدہ، ان کی بہن اور فرعون کی بیوی نے اپنا اپنا کردار حسن و خوبی سے ادا کیا۔ اس قصے سے ثابت ہوتا ہے کہ خواتین کو مردوں کے شانہ بشانہ معاشرتی اور سیاسی سرگرمیوں میں شرکت کا حق حاصل ہے۔

حضرت موسیٰ کے قصہ میں ان تین خواتین کے علاوہ دو اور خواتین کا اہم کردار ہے۔ سورۂ قصص میں اللہ کا فرمان ہے:

وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ. (۲۸:۲۳)

’’جب موسیٰ مدین کے پانی (کنوئیں) تک پہنچے تو انھوں نے وہاں لوگوں کی ایک جماعت کو دیکھا کہ وہ (اپنے مویشیوں کو) پانی پلا رہی ہے اور ان سے قریب ہی دو خواتین دیکھیں کہ وہ اپنی بکریوں کو روکے کھڑی ہیں۔ موسیٰ نے کہا: تمھاری کیا پریشانی ہے؟ انھوں نے کہا: ہم پانی نہیں پلا سکتیں جب تک چرواہے پانی پلا کر نہ چلے جائیں اور ہمارا باپ بہت ہی بوڑھا ہے۔‘‘

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

قرآن حکیم میں مختصر الفاظ میں منظر کشی کی گئی ہے۔ حضرت موسیٰ دور دراز کا سفر کر کے تھکے ہارے بھوکے پیاسے اور ذہنی کرب میں مبتلا مدین کے کنوئیں تک پہنچے ہیں۔ کنوئیں پر کچھ چرواہے اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے۔ اجنبی تھے، ان میں گھسنا مناسب نہ سمجھا۔ چنانچہ درخت کے سائے میں بیٹھ کر ان کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ ان کی نظر دو لڑکیوں پر پڑی جو ایک طرف اپنی بکریوں کو روکے کھڑی تھیں۔ جب حضرت موسیٰ نے یہ دیکھا تو ستانے کو ان کا جی نہ چاہا۔ وہ اپنی تھکاوٹ اور پیاس کی پروا نہ کرتے ہوئے آگے بڑھے اور لڑکیوں سے پوچھا: کیا

بات ہے؟ ہٹ کر کیوں کھڑی ہو؟ انھوں نے وہی کیا جو فطرت سلیم کا مالک روشن ضمیر مرد کرتا ہے۔ لڑکیوں نے بات بتائی، انھوں نے تین الفاظ ’اَبُوْنَا شَیْخٌ کَبِیْرٌ ‘ کہہ کر اپنا قصہ بیان کر دیا، یعنی ہمارا باپ بہت ہی بوڑھا ہے۔ گلے کی نگہبانی نہیں کر سکتا، اس لیے یہ کام ہمیں کرنا پڑتا ہے، لیکن ان چرواہوں سے دھکم پیل کر کے پانی نہیں پلا سکتیں۔ جمہور مفسرین کا قول ہے کہ وہ حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیاں تھیں۔ حضرت موسیٰ تھکان اور پیاس کے مارے ہوئے تھے، پردیسی اور بے یار و مددگار تھے، لیکن یہ سب رکاوٹیں انھیں انسانیت کی آواز پر لبیک کہنے سے روک نہ سکیں۔ وہ لڑکیوں کی بات سن کر آگے بڑھے، خواتین کی بکریوں کے لیے جگہ بنائی اور ان کو پانی پلا کر سائے میں ہو گئے۔ انھوں نے دو محنت کش لڑکیوں کی مدد کر کے ایک روشن مثال قائم کی کہ معاشرے میں مردوں کا کام کارکن خواتین کے راستے میں کانٹے بچھانا نہیں، بلکہ ان کی راہ ہموار کرنا ہے۔

حضرت موسیٰ نے دل کی گہرائیوں سے دعا مانگی: میرے رب، میں اس بھلائی کا محتاج ہوں جو تو میرے لیے نازل کرے۔ ’فَجَآءَ تْهُ اِحْدٰهُمَا تَمْشِیْ عَلَی اسْتِحْیَآءٍ قَالَتْ اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْكَ لِیَجْزِیَكَ اَجْرَ مَا سَقَیْتَ لَنَا ‘(القصص ۲۸: ۲۵)، (دعا مانگنے کے تھوڑی دیر کے بعد) ان میں سے ایک لڑکی شرماتی ہوئی چلی آ رہی ہے۔ کس قدر خوب صورت الفاظ ہیں کہ وہ حیا پر چل رہی تھی گویا کہ وہ زمین پر نہیں، بلکہ حیا پر چل رہی تھی۔ حیا نے ایک بساط کی شکل اختیار کر لی جو موسیٰ کی طرف جانے والے راستے پر بچھی ہوئی تھی گویا وہ مجسم حیا تھی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اگر عورت کو کام کاج کے لیے باہر نکلنا پڑے، اسے عفت اور پاکیزگی کا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ وہ حضرت موسیٰ سے ہم کلام ہوتی ہے کہ میرا باپ آپ کو بلا رہا ہے تاکہ وہ اس نیکی کا بدلہ دے جو آپ نے ہماری بکریوں کو پانی پلا کر کی ہے۔ حضرت موسیٰ اس لڑکی کے بلاوے پر اس کے باپ کے پاس آئے اور انھیں اپنا قصہ سنایا تو انھوں نے حضرت موسیٰ کو تسلی دی کہ وہ دشمنوں سے بچ نکلے ہیں۔ اب لڑکی نے باپ سے حضرت موسیٰ کا تعارف کرایا:

قَالَتْ اِحْدٰهُمَا یٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ .	’’ان دونوں میں سے ایک لڑکی بولی: ابا جان، ان کو ملازم رکھ لیں، کیونکہ بہترین نوکر جو آپ رکھیں، وہ ہے جو توانا اور امانت دار ہو۔‘‘
(القصص ۲۸: ۲۶)	

غالباً یہ وہ لڑکی تھی جو ان کو بلانے کے لیے گئی تھی۔ اس نے کہا: ابا جان، انھیں ملازم کیوں نہیں رکھ لیتے، ایک طاقت ور اور امین شخص سے بہتر ملازم اور کون ہو سکتا ہے۔ کس قدر فطرتی ماحول تھا۔ ایک لڑکی نے بے باکانہ طور پر حضرت موسیٰ کی سفارش کر دی۔ اس کا دل صاف تھا۔ احساس شفاف تھا۔ وہ کسی بدگمانی سے خوف زدہ نہیں تھی جبھی تو

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اس نے باپ کے سامنے لگی لپٹی رکھے بغیر تجویز پیش کر دی۔ ہمارے یہاں اسلام کے نام پر جو ماحول قائم کر دیا گیا ہے، اس میں ایک لڑکی کا ایسی بات کرنا، اسے واجب القتل قرار دینے کے مترادف ہے۔ اس نے حضرت موسیٰ کی قوت کا مشاہدہ اس وقت کیا تھا، جب چرواہوں نے ان کے لیے راستہ بنا دیا تھا اور گفتگو کرتے ہوئے ان کی نظر میں امانت کو دیکھ لیا تھا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے گھر میں حضرت موسیٰ صرف شادی کر کے مستقل ٹھہر سکتے تھے۔ باپ نے بیٹی کی تجویز کو کسی تردد کے بغیر قبول کر لیا اور شادی کا موضوع چھیڑ دیا۔ ایسا معاشرہ جو فطرت سے دور ہو اور رسم و رواج کا پابند ہو، وہ اپنی لڑکیوں کو نکاح کے لیے پیش کرنے کی اجازت نہیں دیتا، حالاں کہ کتاب و سنت میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔ حضرت شعیب نے دونوں بیٹیوں میں سے ایک کا اور مدت ملازمت میں آٹھ یا دس برس کا اختیار موسیٰ کو دے دیا۔ وہ ان کے حالات سے فائدہ اٹھا کر اپنی رائے ان پر ٹھونسنا نہیں چاہتے تھے۔ یہ دو لڑکیاں بھی حضرت موسیٰ کے مشن میں برابر کی شریک تھیں۔ وہ اپنی دانش مندی اور فہم و فراست سے اللہ کے ہونے والے پیغمبر کو روحانی بلندیوں تک پہنچانے کا زینہ بنیں۔ جب حضرت موسیٰ کوہ طور پر گئے تو ان کی بیوی صفورا ایک مونس و غم خوار ساتھی کی حیثیت سے ان کے ساتھ تھیں۔ اس قصے میں کچھ باتیں ایسی ہیں جو آج کل کے مزعومہ مسلمان معاشروں میں کھلتی ہیں۔ مثلاً حضرت شعیب علیہ السلام اپنی بیٹیوں کو بکریاں چرانے کے لیے بھیجتے ہیں، حضرت موسیٰ اجنبی خواتین سے بات کرتے ہیں اور ان میں سے ایک خاتون کی بات پر یقین کر کے اس کے ساتھ چل پڑتے ہیں، کتنی بری بات ہے۔ امام زمخشری اپنی تفسیر ''الکشاف'' میں اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں:

''بیٹیوں کو پانی پلانے کے لیے بھیجنا کوئی ممنوع کام نہیں اور دین بھی اس سے منع نہیں کرتا۔ جہاں تک مردانگی کا تعلق ہے، لوگوں کے رسم و رواج اور عادات مختلف ہیں۔ عربوں کی عادتیں عجمیوں سے مختلف ہیں، صحرانشینوں اور دیہات میں رہنے والوں کی عادتیں شہر کے باسیوں سے مختلف ہیں۔ اس مسئلہ کا تعلق تمدن اور ثقافتی ضروریات سے ہے۔ اگر ان کو روک دیا جائے تو زندگی کی گاڑی رک جائے گی۔ فتویٰ جاری کرتے وقت صرف شہر کے باسیوں کو مدنظر نہیں رکھنا چاہیے، بلکہ صحرانشینوں اور دیہاتیوں کے طرز زندگی کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے جہاں خواتین کا باہر نکل کر کام کرنا کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ ہر دور میں یہاں تک کہ عہد نبوت میں بھی ایسا ہوتا رہا ہے۔ جہاں تک اس اعراض کا تعلق ہے کہ حضرت موسیٰ محض ایک عورت کے قول پر عمل کر کے اس کے ساتھ چل دیے تو ایک خاتون کی خبر پر بالکل اسی طرح عمل کیا جاتا ہے، جس طرح ایک مرد کی خبر پر... جہاں تک اجنبی خاتون (سے بات کرنے) یا اس کے ساتھ چلنے کا سوال ہے تو احتیاط اور عفت کے ساتھ چلنے میں کوئی برائی نہیں۔'' (۴۰۶/۳)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اسلامی شریعت نے تمدنی تغیرات اور معاشرتی ضروریات کو دائرۂ کار کے بارے میں موثر عامل کے طور پر تسلیم کیا ہے۔ اس شریعت نے ایسے احکام دیے ہیں جو عورت کو گھر سے نکلنے پر مجبور کرتے ہیں۔ سورۂ توبہ (۹) کی آیت ۷۱ میں مومن مردوں کے ساتھ مومن عورتوں کی ولایت مطلقہ کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اس میں مالی اور اجتماعی تعاون، جنگی اور سیاسی امور کی ولایت بھی شامل ہے۔ عورت کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے کام کے لیے مردوں کے مانند حکم دیا گیا ہے۔ عہد نبوت میں خواتین پنجگانہ نمازوں کے علاوہ، نماز کسوف وخسوف، عیدین، حج اور جہاد میں مردوں کے شانہ بشانہ شریک ہوتی تھیں۔

ملکۂ سبا (بلقیس)

ہدہد حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے اپنی غیر حاضری کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

وَجِئۡتُكَ مِنۡ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيۡنٍ اِنِّىۡ وَجَدْتُّ امۡرَاَةً تَمۡلِكُهُمۡ وَاُوۡتِيَتۡ مِنۡ كُلِّ شَىۡءٍ وَّلَهَا عَرۡشٌ عَظِيۡمٌ. (النمل ۲۷: ۲۲-۲۳)

”میں آپ کے پاس سبا سے یقینی خبر لایا ہوں۔ میں نے ایک عورت دیکھی کہ ان لوگوں پر حکمرانی کر رہی ہے اور ہر چیز اسے میسر ہے اور اس کا عظیم الشان عرش ہے۔“

www.javedahmadghamidi.com
www.almawrid.org

سبا یمن کا ایک شہر ہے جو صنعاء سے ۵۵ میل کے فاصلہ پر شمال مشرق میں واقع ہے۔ سند مارب کی وجہ سے یہاں خوش حالی کا دور دورہ تھا۔ جس خاتون کو ہدہد نے دیکھا، اس کا نام مفسرین اور مؤرخین نے بلقیس بتایا ہے۔ اس کا زمانۂ عروج ۱۱۰ ق م سے ۱۱۵ ق م تک تھا۔ اس کے پاس اللہ کا دیا سب کچھ تھا۔ اس سب کچھ میں مال و دولت، جاہ و جلال، تہذیب و تمدن اور علوم و فنون شامل ہیں، یعنی ملک، بہبود، ترقی اور عظمت سب عوامل اس کو میسر تھے۔ اس سے پہلے والی آیت میں حضرت سلیمان نے 'اُوۡتِيۡنَا مِنۡ كُلِّ شَىۡءٍ' (ہمارے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے) اپنے لیے استعمال کیے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ ان کے قول میں نبوت اور حکمت بھی شامل تھی، جبکہ ملکۂ بلقیس کے بارے میں اس تعبیر میں دنیوی ساز و سامان اور عظمت و شوکت شامل ہے۔ چنانچہ وہ لوگ اللہ کے بجاے سورج کے سامنے سجدہ ریز ہوتے تھے۔

حضرت سلیمان نے ملکۂ بلقیس کی طرف ہدہد کے ذریعے سے خط بھیجا تا کہ ملکہ کا امتحان لیا جائے۔ پیغام یہ تھا کہ میرے مقابلے میں سرکشی نہ کرو اور مسلم ہو کر میرے پاس حاضر ہو جاؤ۔ ملکہ نے اہل دربار کے سامنے خط کو پیش کیا کہ میرے پاس ایک باوقعت خط آیا ہے۔ مجھے اس بارے میں مشورہ دو، کیونکہ میں تمھاری راے کے بغیر کوئی قطعی فیصلہ

نہیں کر سکتی۔

ملکۂ سبا نے خط کا ذکر لفظ 'کَرِیۡمٌ' (معزز) سے کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خط لکھنے والے اور خط کے مضمون کی عزت اس کے دل میں پہلے سے موجود تھی۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ اس کا انداز حکمرانی جمہوری تھا اور کوئی فیصلہ اہل رائے کے مشورے کے بغیر نہیں کرتی تھی۔ اس آیت کے تحت قاضی ابن العربی اپنی کتاب ''احکام القرآن'' میں فرماتے ہیں:

''اس آیت میں باہمی مشاورت کی دلیل موجود ہے اور علما کا قول ہے کہ سب سے پہلے ملکہ بلقیس نے مشاورت کی طرح ڈالی۔''

الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہل رائے نے جنگ کا مشورہ دیا جسے ملکہ نے رد کرتے ہوئے کہا:

''بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسے تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور وہاں کے عزت دار لوگوں کو ذلیل کر دیا کرتے ہیں وہ تو ایسا ہی کریں گے۔'' (النمل ۲۷: ۳۴)

یہاں ملکۂ سبا کی شخصیت پوری طرح ابھر کر سامنے آتی ہے۔ وہ ایک دانا و بینا حکمران تھی۔ ملک کو خواہ مخواہ جنگ کی آگ میں جھونکنا نہیں چاہتی تھی۔ اس لیے حضرت سلیمان کی طرف تحفے تحائف بھیجے تا کہ دیکھے آیا سلیمان عام بادشاہوں کی طرح ملک گیری کی ہوس رکھتے ہیں یا ایک عقیدے کی خاطر برسرپیکار ہیں؟ جب حضرت سلیمان نے ہدیے واپس کر دیے تو ملکہ کو پتا چل گیا کہ یہ عقیدے کا معاملہ ہے۔ اس کا دل نور الٰہی سے منور ہو چکا تھا، اس لیے اس نے سلیمان کے دربار میں حاضر ہونے میں پل بھر دیر نہ کی۔ نور الٰہی نے بلقیس کے سینے کو اس قدر منور کر دیا تھا کہ اس نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا:

''میرے رب میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے میں سلیمان کے ساتھ اللہ کے سامنے اپنا سر خم کرتی ہوں جو سارے جہانوں کا پالنہار ہے۔'' (النمل ۲۷: ۴۴)

وہ اسلام صرف رب العلمین کے لیے قبول کر رہی ہے، وہ اسی اللہ کے سامنے جھک رہی ہے جس کے سامنے حضرت سلیمان جھکتے ہیں۔ ملکۂ سبا کا قصہ بیان کرتے ہوئے قرآن نے تحسین و توصیف کا انداز اختیار کیا ہے۔

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت سلیمان اور ملکۂ سبا کے باہمی تعلقات کا قرآن حکیم میں کوئی ذکر نہیں، مگر کم و بیش تمام مفسرین، مثلاً امام طبری، امام زمخشری، امام رازی، بغوی، ابن کثیر، امام شوکانی، ابوحیان، محمود آلوسی اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے کہا ہے کہ حضرت سلیمان نے ملکہ سے شادی کر لی تھی اور اسے یمن کی حکومت پر برقرار رکھا تھا۔

(باقی)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org